

علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں قوم پرستی، ردِ استعماریت اور تہذیبی کشمکش
(مابعد نوآبادیاتی مطالعہ)

**Allama Rashid Al Khairy's Fiction: Nationalism, Anti-Colonialism,
and Civilizational Clash (Postcolonial Studies)**

Muhammad Amir Sohail

Lecturer, Department of Urdu, University of Sargodha, Sargodha
muhammad.amir@uos.edu.pk

Farzana Khan

B.S-Urdu Department of Urdu, University of Sargodha, Sargodha
farzana.khan@gmail.com

KEYWORDS

Colonialism,
Decolonialism,
Cultural Studies
Rashid al Khairy
Nationalism
Patriotism
Post Colonialism
Cultural Hybridity
Mimicry

DATES

Received 18-10-2024
Accepted 22-11-2024
Published 31-12-2024

QR CODE



ABSTRACT

Allama Rashid Al Khairy is among the first fiction writers. He was a popular fiction writer of his time. In the tradition of Urdu fiction, he is known as a Romantic fiction writer. However, he was aware of the political and social conditions and events of his time. Hindu-Muslim riots (non-unity) created under imperialism, the ideological domination of Urdu, were fully aware of the cultural hybridity between East and West. He raised the sentiments of Hindu-Muslim unity in his fiction. Instilled a sense of patriotism in Indians. Indian nationalism developed. By showing the dark face of Western colonialism and the clash between Western and Eastern civilizations, it promoted the Orientalist trend. They reject the colonialist narrative of the West, according to which the West is peaceful, civilized and humanitarian. They think it is bad to be influenced by western civilization. They teach deviation from the false imitation of the West. In this paper, the political, social, reformist and cultural fictions of Rashid al-Khairy are studied, which promote decolonial thought by highlighting the oriental, national and local style of feeling. This type of study of Rashid al-Khairy's fictions is a priority, in which his decolonialist and orientalist and localist thought has been made the subject.

DOI:

<https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/105>

تلخیص:

علامہ راشد الخیری کا شمار اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ اردو افسانے کی روایت میں وہ رومانوی افسانہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ تاہم وہ اپنے وقت کے سیاسی و سماجی حالات و واقعات سے باخبر تھے۔ سامراج کے تحت پیدا ہونے والے ہندو مسلم فسادات، اردو کے نظریاتی تسلط، مشرق اور مغرب کے درمیان ثقافتی بائبرڈیٹی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندو مسلم اتحاد کے جذبات کو ابھارا۔ ہندوستانوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔ ہندوستانی قوم پرستی پروان چڑھی۔ مغربی استعمار، مغربی اور مشرقی تہذیبوں کے درمیان تصادم کا سیاہ چہرہ دکھا کر اس نے مستشرقین کے رجحان کو فروغ دیا۔ وہ مغرب کے استعماری بیانیہ کو مسترد کرتے ہیں، جس کے مطابق مغرب پر امن، مہذب اور انسان دوست ہے۔ ان کے خیال میں مغربی تہذیب سے متاثر ہونا برا ہے۔ وہ مغرب کی جھوٹی تقلید سے انحراف کا درس دیتے ہیں۔ اس مقالے میں راشد الخیری کے سیاسی، سماجی، اصلاحی اور ثقافتی افسانوں کا مطالعہ کیا گیا ہے، جو مشرقی، قومی اور مقامی طرز احساس کو اجاگر کرتے ہوئے غیر استعماری فکر کو فروغ دیتے ہیں۔ راشد الخیری کے افسانوں کا اس قسم کا مطالعہ ایک ترجیح ہے، جس میں ان کے استعماری اور مستشرقین اور مقامی فکر کو موضوع بنایا گیا ہے۔

علامہ راشد الخیری اردو کے اولین افسانہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے طنزیہ و مزاحیہ مضامین، ناول اور افسانے تخلیق کیے۔ اپنے زمانے کے مقبول ترین لکھاریوں میں شامل تھے۔ ان کی نظر سماجی و معاشرتی حالات و واقعات، عورتوں کے مسائل، اسلام اور تاریخ اسلام، ملا اور مذہب، برصغیر کی سماجی و سیاسی حیثیت اور بین الاقوامی سیاسی و تاریخی مسائل پر تھی۔ برصغیر کی سیاسی، تاریخی اور سماجی صورت حال کے پیش نظر انھوں نے برصغیر پر غیر ملکی جبر و تشدد اور تسلط کے خلاف اور ہندو مسلم اتحاد کے حق میں چند افسانے تحریر کیے۔ وہ ہندوستانی قومیت کے لیے پریم چند کی طرح ہندو مسلم اتحاد کا پرچار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے افسانے 'سیاہ داغ'، 'افراط و تفریط' اور 'کلوننتیاں' کو اہمیت حاصل ہے کہ وہ خالصتاً سیاسی نوعیت کے حامل ہیں۔ انگریز دشمنی، حب الوطنی اور ہندوستانی قومیت کے لیے ہندو مسلم مذکورہ افسانوں کے موضوعات ہیں۔

'سیاہ داغ' میں مراکش پر فرانسیسی استعماریت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ استعماریت جس کا آغاز قوم پرستی سے ہوا تھا اس نے ہر جگہ غلبہ اور تسلط پانے کے لیے مقامیوں پر ظلم ڈھائے۔ جس دور میں فرانسیسی استعماریت مراکش کو نوآبادی بنانے کے لیے جبر اور تشدد کو اختیار کیے ہوئے تھے اسی دور میں ہندوستان پر برطانوی استعماریت نے جلیانوالہ باغ میں ہندوستانیوں پر گولی چلائی تھی۔ استعماریت نے جہاں بھی قدم گاڑھے وہیں مقامیوں پر غلبہ پانے کے لیے انسانی جانوں کا بے دریغ قتل عام کیا۔ 'سیاہ داغ' دراصل استعماریت کے سفاک اور پُر تشدد چہرے سے پردہ چاک کر کے حب الوطنی کے جذبہ کو ابھارنے اور استعمار مخالف متبادل بیانیہ پیش

کرتا ہے۔ قومی ریاستوں نے جس طرح دوسرے ممالک کی اقوام کے وسائل کو اپنے سیاسی و معاشی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے جبر کا راستہ اختیار کیا۔ اپنی استعماری پالیسیوں کا جواز بہتر انتظامی و سیاسی کارکردگی، تہذیبی مشن کی تکمیل اور امن کے قیام کا کہہ کر پیش کیا۔ استعماری غلبہ کے خلاف جب کوئی قومی بیداری سر اٹھائے، قومی جذبہ آزادی کی طرف بڑھے تو استعماری بیانیہ کچھ یوں ہو جاتا ہے۔ 'سیاہ داغ' میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

"شہر کے یہ گستاخگر انسان جو کتوں اور گدھوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اس قابل ہو گئے کہ قصر شاہی کی طرف منہ کر کے بھونکیں، ان کو نہیں معلوم کہ محض مابدولت کے اقبال شاہی کی طفیل دونوں وقت ان کے پیٹ بھر جاتے ہیں، یہ اطمینان سے سوتے اور مزے سے رہتے ہیں، ہمارے احسانات کا معاوضہ یہی تھا کہ کل رات کو ان کی مکروہ آوازوں نے ہماری نیند میں خلل ڈالا۔ ضرورت ہے کہ یہ محنت کش، یہ نمک حرام، انسان نما جانور اس جرم کی سزا پائیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ حکومت کیا طاقت رکھتی ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ بادشاہ کیا اختیار رکھتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ حاکم و محکوم کا رشتہ کیا معنی رکھتا ہے، یہ تلوار جس نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک خون کے دریا بہادیئے، ایک دنیا میں تہلکہ مچا دیا ایک عالم میں قیامت برپا کر دی، ابھی ان ہاتھوں میں موجود ہے یہ ذلیل کمینے، ناپاک اپنی اصلیت کو بھول کر آج مابدولت کے سامنے منہ کر کے بھونکتے ہیں اچھا سب کے ہاتھوں پر ایک سیاہ داغ لگا دو، یہ وہی ہیں جو کل تک ڈاکوؤں، لٹیروں کا شکار تھے، یہ وہی ہیں جنگی گزران کل تک جنگ کی بنا سستی تھی، یہ وہی ہیں جن کو کل تک اٹھتے جوتی اور بیٹھے لات تھی، آج ہماری قید میں آکر ان کے پنجروں کی تتلیاں فینسی ان کے انواع و اقسام کے لذیذ و مرغن کھانے ان کی غذا بے فکر و آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں، اس کا بدلہ لایہ، اس کا معاوضہ ایسا ذلیل۔۔۔ رذیل۔۔۔ جانور۔۔۔ تعمیل کرو۔" (1)

قومی ریاستوں نے دوسری اقوام پر جب استعماری تسلط قائم کرنے کے لیے تجارتی مقاصد کی بنیاد رکھی، اس وقت ان کے ذہن میں 'قوم پرستی' پیدا ہو چکی تھی۔ جس کے مطابق وہ نسلی و قومی اعتبار سے دیگر اقوام سے بلند اور برتر کے دعوے دار تھے۔ نسلی و قومی اعتبار سے برتر و اعلیٰ ہونے کے باعث انھیں حق حاصل ہے کہ وہ پس ماندہ اقوام کو مغلوب کر کے ان پر حکومت کریں اور ان کے سامنے امن، ترقی، خوشحالی کا جواز پیش کر کے ان کا سیاسی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، مذہبی اور تہذیبی استحصال کریں۔ مذکورہ 'سیاہ داغ' سے جو طویل اقتباس دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے استعماری رویوں کو چھپانے کے لیے استعمار پسند قومی ریاستوں نے مقامی باشندوں کو اصلاح، امن اور ان کی ترقی و خوشحالی کا بیانیہ وضع کیا۔ اقتباس میں ہم نے دیکھا کہ قومی و نسلی برتری نے سیاسی و معاشی طاقت و غلبہ کے بل بوتے پر غالب قوم، مغلوب قوم کے انسانی شرف کو بھی قبول نہیں کرتی بلکہ انھیں جانور، رذیل اور ذلیل قرار دیتی ہے۔ استعمار خود اپنے ظلم، جبر اور تشدد کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ 'قوم پرستی' ایسا ہی جذبہ ہے جس کے تحت اپنے ملک اور قوم کی ترقی، مفاد اور اغراض کے لیے دوسرے ملکوں اور قوموں کا استحصال اور انسان کشی جائز سمجھی جاتی ہے۔ اپنے اس افسانے میں علامہ

راشد الخیری نے مقامی باشندے کے خون سے 'وطن پرست' جماعت کے قیام کا ذکر کیا ہے۔ یہ وطن پرستی بلا رنگ و نسل، مذہب و ملت اور قوم و فرقہ ہے۔ وطن پرستی سے ہی تمام مذاہب اور قوتوں کے لوگ ایک قوم بن کر قومی ریاست کی تشکیل دے کر ایسی قوم پرستی کے جذبے میں داخل ہو سکتے ہیں جس سے وہ غیر ملکی استبدادی نظام حکومت سے نجات حاصل کر سکیں۔ ہندوستانی قومیت کے لیے ہندو مسلم اتحاد کے حق میں پریم چند کی طرح علامہ راشد الخیری نے بھی اپنے دو افسانے 'افراط و تفریط' اور 'کلونٹیاں' تحریر کیے۔ افسانہ 'افراط و تفریط' میں علامہ راشد الخیری نے ہندو مسلم اتحاد و فسادات کو براہ راست موضوع بنا کر ہندو مسلم اتحاد کی مثال، ہندو مسلم فسادات کے اسباب و محرکات اور واقعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ افسانے میں دو مرکزی کردار ہیں۔ ایک ہندو (پنا) دوسرا مسلمان (جمن) ہے۔ دونوں کردار آپس میں گہرے دوست ہیں اور ان میں اتحاد و اتفاق غیر معمولی رویا پایا جاتا ہے۔ افسانے کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

"بلبل سرائے سے جتنا بازار تک کی بچی بچائی مخلوق آج بھی شاید ہے۔ اس امر کی کہ پنا اور جمن ایسے ہندو اور مسلمان تھے کہ ان کی محبت حقیقی بھائی قربان، اتحاد کے سدا بہار پھولوں سے ان کے دل مزین تھے۔۔۔ محلہ حیران اور پڑوسی ششدر تھے کہ دنیا نے پلٹ کھائے۔۔۔ پنا اور جمن کی محبت میں فرق نہ آیا، عقائد کے اعتبار سے دونوں بچے ہندو اور کٹر مسلمان تھے۔" (2)

دونوں کی محبت کی یہ صورت تھی کہ پنا پکا ہندو ہونے کے باوجود مسجد میں جا کر مغرب کی نماز سے قبل چراغ روشن کرتا۔ پنا مسلمانوں کی مسجد میں جا کر وہاں اپنی دیوالی کی مٹھائی تقسیم کرتا اور ان سے محبت، رواداری کا غیر معمولی اظہار کرتا تھا۔ ایک ہندو کی طرف سے مسلم دوستی کی عمدہ مثال ہے۔ اس کے برعکس جمن اپنی مری بچی کی یادگار گائے رجو کو بچوں کی طرح پالتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے، گویا جمن کی شفقت پذیری کے تمام جذبات گائے سے منسوب ہیں۔ افسانے میں علامہ راشد الخیری ہندو مسلم فسادات کے محرک کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو ایک دن مولوی نے مسجد میں کہا:

"اسلام کی زندگی اور موت کا سوال ہے اس سے اچھا وقت مسلمان کے واسطے کیا ہو سکتا ہے مارا تو غازی مرے تو شہید۔ یہ ہر مسلمان کے ایثار و قربانی کا وقت ہے، جس کا جی چاہے جنت مول لے کے بد بخت و ناہنجار ہندو جو ظلم مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں ان کا بدلہ لینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" (3)

مولوی کی یہ ایمان افروز تقریر سننے کے بعد جمن کے ایمانی جذبات اس کے قابو سے باہر ہونا شروع ہو گئے۔ رات گئے تک اسے نیند نہ آئی اور ہندوؤں سے انتقام لینے کے لئے صبح کی نماز تک اسی کش مکش میں سوچتا رہا، بالآخر ہندوؤں سے بدلہ لینے کے لئے اسے اپنی گائے رجو ہی نظر آئی۔ جس کو وہ ہندوؤں کے سامنے ذبح کر کے ان سے مذہبی انتقام لینے پہ بھند ہوا اور بالآخر گائے کو ذبح کر ڈالا۔

افسانے ”افراط و تفریط“ کے دو کردار نیا اور جمن، ہندو مسلم اتحاد اور تنفر کے حامل ہیں۔ نپاکی مذہبی رواداری، ہم آہنگی جبکہ جمن کی مسلم قوم پرستی افسانے سے ظاہر ہوتی ہے۔

ہندو مسلم فسادات و محرکات میں سے افسانے میں پیش کیا جانے والا محرک مولویوں کی تقریریں ہیں جنہوں نے ہندوستانی قومیت کو پھینکنے کے بجائے گہر انقضاں پہنچایا۔ جمن مولوی کی تقریر سے متشدد جذبے میں مبتلا ہوا ہے۔ اپنی بساط کے مطابق اس نے مذہبی انتقام لیا ہے۔ اس کا ایمانی جذبہ مذہبی رواداری کی طرف لے جانے کی بجائے مسلم قوم پرستی اور تشدد کی طرف لے جاتا ہے۔ جمن اسلام کے عدم تشدد کے تصور، امن کے درس اور انسانی حقوق (بالخصوص مذہبی عدم انتشار کے رویے) کو نظر انداز کر کے ہندو مسلم فسادات میں حصہ ڈالتا ہے۔ علامہ راشد الخیری نپا کے کردار سے ان ہندوؤں کو سامنے لاتے ہیں جو مذہبی رواداری کے حامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ نپا کی مذہبی عقیدت اس کی سادہ لوحی ہے، ہاں اس کی سادہ لوحی جمن سے بہتر ہے۔ نپا کے مقابلے میں جمن کا کردار انتہا پسند مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو مذہبی انتشار اور بدلہ لینے کی غرض سے فسادات اور ہندو مسلم نفرت کو ہوا دیتے ہیں۔ جس طرح پریم چند نے اپنے افسانوں میں مسلمانوں کے کردار کو امن، سلامتی، رواداری اور تحمل و برداشت کا حامل دکھایا ہے، بالکل اسی طرح راشد الخیری نے اپنے اس افسانے میں مسلم قوم پرستی کی بھیانک شکل اور ہندو کردار نپا کے مثبت رویوں کو دکھایا ہے۔ یہ افسانہ ہندو مسلم اتحاد کی یاد دلا کر ہندو مسلم اتحاد کا پیغام دیتا ہے۔ عدم تشدد کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے ہندوستانی قومیت کے جذبے کو پروان چڑھاتا ہے۔ جمن کے پر تشدد کردار سے قاری کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ غرض یہ افسانہ ہندو مسلم اتحاد کی عمدہ مثال اور ہندو مسلم انتشار کے محرک کو سامنے لاتا ہے۔

افسانہ ’کلو نیتیاں‘ میں بھی ہندو مسلم اتحاد کو ایک تمثیل کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ افسانے میں ثریا ملکہ مشرق جسے باپ نے اسکے سات سمندر پار معالج سیاح کو بیاہ کر دیا کہ اس نے ثریا ملکہ مشرق کا علاج کر کے اسے صحت یاب کیا۔ ثریا ملکہ مشرق کے بطن سے دو بچیاں پیدا ہوئیں جن کا آپس میں اتفاق نہ ہوا، وہ دونوں بچیاں ایسی کلو نیت ہوئیں کہ ماں کو ناک چنے چوائے۔ ثریا ملکہ مشرق کی اپنے شوہر کے ہاں کیا حیثیت تھی، افسانے سے اقتباس دیکھیے:

”وہ پروانہ وار مرد پر نثار ہوئی، جیتی جاگتی چتا میں بیٹھی مگر اس کی بڑی سے بڑی حیثیت پالتو جانور سے آگے نہ بڑھی۔ افسوس اور قلق اس امر کا ہے کہ پر دہی سیاح بھی جسکے ساتھ تہذیب و انسانیت کے لمبے لمبے اور چوڑے چوڑے دعوے تھے۔۔۔ تخت نشین ہوتے ہی ملکہ کو محبت کے بجائے طاقت کی زنجیروں میں ایسا جکڑا کی نکلا مشکل ہو گیا، کہنے کو راج پاٹ ثریا کا تھا مگر اتنی مجال نہ تھی کہ کسی معاملہ میں دم مار سکے۔۔۔ ثریا کہنے کو ملکہ تھی مگر شوہر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی۔“ (4)

ہندوستان کا برطانوی استعماری قبضے میں آنے کے سیاق میں ایک واقعہ ہے۔ جسے ایک نئے انداز میں اس افسانے میں بیان کیا گیا ہے۔ فرخ سیر ہندوستان کا بادشاہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ ہندوستانی طبیب اس کا علاج کرنے سے قاصر رہے، بالآخر برطانوی

ڈاکٹر نے فرخ سیر کا علاج کیا۔ برطانوی ڈاکٹر نے انعام لینے کے بجائے برطانوی تاجروں کے لئے ہندوستان میں تجارت کرنے میں محصولات کو معاف کرنے کی اپیل کی اور ان کے لئے ہر طرح کی تجارتی و معاشی آسانیاں پیدا کرنے کی سفارش کی۔ فرخ سیر نے اس کی سفارش اور اپیل کو قبول کر لیا۔ جس کے بعد ہندوستان میں برطانوی تاجروں نے دن بدن ترقی شروع کی، جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک تجارتی کمپنی سے سیاسی کمپنی کی شکل اختیار کر گئی۔ انھوں نے رفتہ رفتہ مختلف علاقوں کو فتح کر کے وہاں اپنے احکامات چلانا شروع کیے۔

”کلو نیتیاں“ میں راشد الخیری نے داستانی طرز کی تمثیل کچھ اسی طرح بیان کی ہے۔ افسانے میں ثریا ملکہ مشرق کا خاوند وہی مغربی سیاح طیب ہے جو اس کی سلطنت کا مالک بن کر اسے جانور سمجھنے لگا۔ مغربی استعمار نے ہندوستانیوں کو تہذیبی کم تری، علمی و اخلاقی انحطاط اور سیاسی و انتظامی زوال کے باعث شرف انسانی کا مرتبہ نہیں دیا۔ مغربی قوم پرستی میں یہ بات بہت شدت سے دہرائی جاتی ہے کہ ایک قومی ریاست کے لئے دوسری پسماندہ قوم جانوروں کی طرح ہے۔ انسانی حقوق صرف قومی ریاست میں رہنے والے کے ہیں۔ دوسری قوم کا فرد انسانی حقوق نہیں رکھتا پس اسے مغلوب ہی رکھا جائے۔ برطانیہ سب سے پہلی قومی ریاست کا اعزاز رکھتا ہے۔ ہندوستان پر اسی کا نوآبادیاتی تسلط قائم رہا ہے۔ اس افسانے میں ثریا کی دونوں بیٹیوں کو ثریا کی بربادی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ عرض وطن ماں کا درجہ رکھتی ہے۔ ہندو مسلم دو بیٹیوں کی طرح ہیں جن کی ماں ان کا عرض وطن ماں ہندوستان ہے۔ لیکن ان دونوں میں نفرت، انتشار، فسادات، قتل و غارت کی سی حالت ہے۔ ثریا اپنی دونوں بیٹیوں سے کہتی ہے:

”میں وہ بد نصیب ماں ہوں جس کو تم دونوں کی بدولت اپنے سعید اور سپوت بچوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھنی پڑیں۔ تم نے میری گود میں خون کے نالے بہائے اور میرے گلے پر کند چھری چلائی، تم نے جن چھاتیوں سے دودھ پیا آج ان سے خون کے فوارے جاری ہیں۔ جوانی نے تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور تم نے دنیا کو اپنا تماشا دکھایا، جو دنیا کے کسی دھرم اور مذہب نے روانہ نہیں رکھا وہ تم نے جائز کیا اور جس دنیا کے ہر کونے سے لعنت برسی وہ تمہارا ایمان ٹھہرا، نامراد لڑکیوں تمہاری اور محض تمہاری وجہ سے میرے کلیجے کے ٹکڑے شب و روز بھیک کے ٹکڑے مانگ رہے ہیں اور اس کی ذمہ داری صرف تمہاری ذات پر ہے۔ (5)

وہ بد نصیب ماں ارض ہندوستان ہے۔ جس کے ثمرات ہندو مسلم دونوں نے حاصل کیے لیکن ارض وطن کو خون میں نہلایا۔ افسانے میں آگے چل کر ثریا اپنے دودھ کا واسطہ دے کر ان سے کہتی ہے؛ ”در گزر کا مادہ پیدا کرو“۔

علامہ راشد الخیری اس افسانے میں ہندوستان کی بربادی و زوال کے اسباب، استعماری یلغار کے شکار ہونے کا محرک خود ہندوستان میں مسلم قوم پرستی اور ہندو قوم پرستی کے باعث پیدا شدہ فسادات میں دیکھتے ہیں۔ عین ممکن ہے اگر ان کا اتفاق ہوتا تو ملک و قوم کا استعماری طاقت نقصان نہ کر سکتی۔ افسانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی تجارتی کمپنی (برطانوی) کو مراعات و اختیارات دینا اور ہندو مسلم فسادات، ہندوستان کے سیاسی زوال کے دو بڑے سبب اور محرک ہیں۔ اس افسانے میں راشد الخیری ہندو مسلم

علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں قوم پرستی، ردِ استعماریت اور تہذیبی کشمکش (مابعد نوآبادیاتی مطالعہ)

اتحاد، اتفاق، الحاق اور ہم آہنگی کا درس دیتے ہوئے درگزر کرنے کا مادہ پیدا کرنے کا کہتے ہیں۔ ہندوستانی قومیت کے لیے ہندو مسلم یکجہتی کی ضرورت ہے تاکہ ملوکی، استعماری، نوآبادیاتی اور استبدادی نظام کی حکومت سے نجات حاصل کی جائے۔ افسانے ”کلوئیتیاں“ میں ان دو بہنوں کو شدھی (ہندو قوم پرستی کی نمائندہ جماعت) اور تبلیغ (مسلم قوم کی نمائندہ جماعت) کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہی دو بہنوں نے فسادات کی راہ اختیار کی۔ تبلیغ نے استعماری حکومت سے آزادی کی جدوجہد کے بجائے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی تگ و دو کی جبکہ شدھی نے ہندوؤں کو جو مسلمان ہوئے، دوبارہ ہندو مندھب پر لانے کی جستجو کی۔ یہ دونوں تحریکیں سخت انتشار اور فسادات کا باعث بنیں۔ راشد الخیری کے نزدیک ان دونوں میں اتحاد پیدا کر کے ہی ہندوستانی قومیت تشکیل ممکن ہے۔

علامہ راشد الخیری کے افسانوں کا مزاج رومانی ہوتے ہوئے اپنی فکری منہاج میں ہم عصر حسیت سے ہم آہنگ ہے۔ اسلام، اسلامی روایات، عورت، عورت کی سماجی حیثیت، تاریخ اسلام، سماجی مسائل و معاملات، سیاسی حالات و واقعات اور انقلابی و اصلاحی رجحان ان کے افسانوں کی بنیادی اساس ہیں۔ اس دور میں مغربی تہذیبی و فکری اثرات کے نتیجے میں ہندوستان میں حقوق نسواں اور آزادی نسواں کی تحریک جاری تھی اور عورتوں کے مسائل، رویے، تعلیم و تربیت کے حوالے سے بالخصوص فکشن اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ عورت کی مظلومیت کا بیان، اس کی اصلاح کی کوشش اور اس کے حقوق کی جدوجہد ان کے افسانوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے ارد گرد کے سماجی حالات اور گھریلو زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں، واقعات، معاشی ناہمواریاں اور عورتوں سے ہونے والے سلوک کے وہ عینی گواہ تھے۔ عموماً راشد الخیری کے افسانوں کو محض موضوع نسوانی تک محدود سمجھا اور تصور کیا جاتا ہے۔ تاہم ان کے افسانوی مجموعے ’شہید مغرب‘ کی نوعیت ہندوستانی سیاست اور عالمی سیاسی حالت و واقعات سے جڑی ہوئی ہے۔ افسانہ ’سیاہ داغ‘ ردِ استعماری فکری پہلو لیے ہوئے ہے۔

’سیاہ داغ‘ میں براہ راست مراکش پر فرانسیسی استعماریت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جو حالات ’سیاہ داغ‘ میں مراکش کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں وہی صورت حال ہندوستان پر برطانوی استعماریت کی تھی۔ استعماریت اور نوآبادیات ہمیشہ آسانی سے قائم نہیں ہو جاتی اسے مزاحمت اور مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے چونکہ استعمار برتری اور غلبہ پانے کی حتی الامکان کوشش میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ سرمایہ، دولت، اسلحہ اور ٹیکنالوجی مقابل سے زیادہ رکھتا ہے، اس لیے وہ ظلم، جبر، تشدد کے ذریعے تسلط و غلبہ پا کر نوآبادیاتی نظام قائم کر کے غلام بناتا ہے۔ وہ اپنے معاونین تیار کرتا ہے، انھیں استعمال کرتا ہے۔ استعماریت پسند سوچ اپنی اصل میں تشدد ہوتی ہے۔ ’سیاہ داغ‘ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

” مسلح دستے نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کی، الیاس آباد کا دوہلا بیوہ کالال جو رو کر کہہ رہا تھا ہم کچھ نہیں کہتے، فقط ہمارے بچے حوالے کر دو، اپنی درخواست کے جواب میں غیر کی آواز سنتا ہے اور دیکھتا ہے کہ چہرے سے خون بہنے لگا، صداقت کا پتلا اسلام کا عاشق، وطن کا شید اقدم پیچھے نہیں ہٹاتا اور کہتا ہے کہ اس خون کے ہر قطرے سے وطن پرست جماعت پیدا ہوگی یہ خون ضائع نہ جائے گا۔ (6)

۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں نہتے ہندوستانیوں پر برطانوی افسر ڈائر کے حکم پر سپاہیوں نے گولی چلا دی، ایک ہزار سے زائد ہندوستانی موت کے منہ میں چلے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ ہندوستانیوں کا احتجاج اور استعماریت کے خلاف مزاحمت کا حامل یہ مقامیوں کا جلوس پُر امن تھا مگر اس کے اثرات چوں کہ برطانوی سرکار پر دور رس تھے اس لیے استعماری گولی کا نشانہ بنا۔ یہ دراصل ہندوستانی آزادی کے خلاف قانون کی مخالفت میں جمع ہونے والا ہندوستانی جلوس تھا۔ مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

"راشد الخیری اور سلطان حیدر جوش نے پریم سے بہت پہلے حب الوطنی اور انگریز دشمنی کو اپنا موضوع خاص بنایا۔ اس حوالے سے راشد الخیری کا افسانہ 'سیاہ داغ' خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ 'سیاہ داغ' واضح طور پر جلیانوالہ باغ کے عظیم سانحہ سے متعلق افسانہ ہے جس میں ہندوستان کی آزادی کا خواب دیکھا اور دکھایا گیا ہے۔ (7)

جلیانوالہ باغ اور اس کے علاوہ ہندوستانی خون کا بدلہ ہندوستان میں پیدا ہونے والی خفیہ انقلابی تنظیم نے لیا، جس نے ہر استحصال کار اور استعمار کار کو الگ الگ قتل کرنے کا عزم کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ استعماری جبر ہمیشہ مقامیوں میں استعمار اور استعماری آقاؤں، حکمرانوں، افسروں کے خلاف انتظامی جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ جذبہ ایک طرف ملک و قوم کو نوآبادیاتی چنگل سے آزادی حاصل کرنے اور دوسری طرف استحالی طبقات سے انتقام لینے پر مشتمل ہوتا ہے۔ وقت آیا ہر ہندوستانی سیاسی جماعت اور تحریک نے تمام تر داخلی اختلافات کے باوجود ہندوستان کے برطانوی حکومت سے آزادی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ہر قطرہ خون سے ہندوستانی وطن پرست نوجوان پیدا ہوا۔

افسانہ 'دو آسمانی مسافر' میں طرابلسی مسلمانوں پر اطالوی استعماریت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ راشد الخیری نے مغرب کی مہذب اقوام اور ان کی برتری کے تصورات کو چیلنج کر کے انھیں رد کیا ہے۔ مغرب خود کو مہذب کہہ کر اپنے تمام تر ظالمانہ، وحشیانہ اور پر تشدد اعمال و افعال کو جواز فراہم کرتا ہے مگر اس کے اعمال و افعال اسے غیر مہذب، وحشی، ظالم، قاتل اور بدتر ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مغرب نے خود اپنی غاصبانہ یلغاری مہم، نوآبادیاتی نظام قائم کرنے کی عملاً سعی اور استعمار پسندیدیت سے ہر قسم کے انسانی سلوک کو پامال کیا۔ انسانوں کو غلام بنایا، انھیں قتل کیا اور ہر ممکن استحصال کیا۔ مغرب کے بارے میں راشد الخیری کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"یہ انسان جو تہذیب و تمدن کا مدعی اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ہے اپنے کانوں سے ان بے بسوں اور بے کسوں کی گریہ و زاری سنتا رہا اور اس کا دل نہ پیچھا۔ طاقتور مہذبوں نے بے گناہ کمزوروں کے آہ نالے سنے۔ ذبح ہوتے ہوئے دیکھا اور کان پر جوں نہ چلی۔" (8)

افسانہ 'دو آسمانی مسافر' سے دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو:

علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں قوم پرستی، ردِ استعماریت اور تہذیبی کشمکش (مابعد نوآبادیاتی مطالعہ)

"یورپ کا سنگ آفتاب ان تینوں لاشوں کو دیکھ کر مسکرایا۔۔ انسان اشرف المخلوقات ہے مگر طرابلس کے گدیورپ جیسے انسانوں سے بہت زیادہ مہذب اور صاحبِ فراست نکلے۔" (9)

مذکورہ اقتباسات میں مغربی مفکرین اور یورپی مرکزیت کے ان دعوؤں کو رد کیا گیا ہے جس کے مطابق مغرب انسانی بنیادی حقوق کا علم بردار، آزادی نسواں کا قائل، مہذب غیر مغربی اقدام سے برتر اور دنیا کو مہذب بنانے و متمدن کرنے کا متمنی ہے۔ راشد الخیری نے اپنے افسانے میں مغرب کا اصلی چہرہ دکھا کر یورپی مرکزیت کو بے نقاب کیا ہے۔ مغربی فکر کا یہ بطلان ردِ استعماری رجحان کا حامل ہے۔ انھوں نے 'طرابلس سے ایک صدا' میں اطالیہ کے طرابلس پر وحشیانہ تشدد اور استعماری عمل داری کو موضوع بناتے ہوئے وہاں کی ایک مسلم خاتون کی صدا کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے اسے یورپ کی بے ایمانی، دغا بازی اور مکاری قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

"یورپ میں آج بھی وہی وحشی لوگ بس رہے ہیں جو آج سے ہزاروں برس پہلے آباد تھے اور جو صفحہ تاریخ پر جانوروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔" (10)

راشد الخیری نے اپنے مجموعہ 'شہید مغرب' میں یورپ کے وحشیانہ عمل اور انسان کشی جیسے مظالم کو بیان کر کے ان کے مہذب ہونے کے دعوے کو رد کرتے ہوئے انھیں انسان دشمن، غیر مہذب، بے بس، خود غرض، مفاد پرست قرار دیتے ہوئے ان کی حیثیت و حیثیوں سے زیادہ نہیں پیش کی۔

راشد الخیری نے اپنے افسانوں میں اس دور کی سماجی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی زندگی کو پیش کیا ہے۔ اسلام، تاریخ اسلام، تاریخ، عورت، معاشرت، ہندوستانی سماج اور عالمی عصری حالات و واقعات ان کے افسانوی موضوعات میں شامل ہیں۔ وہ دور سماجی اصلاح، معاشرتی تغیرات، سیاسی پیچیدگی، معاشی ناہمواری اور مذہبی شدت پسندی کا تھا۔ راشد الخیری کے افسانوں میں عورت کی اصلاح، معاشرتی تغیرات کی عکاسی، سیاسی حالات و واقعات کا بیان اور مذہبی تاریخی واقعات کا اعلامیہ ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں مذہبی تہذیب سے مرعوبیت و انحراف، ہندو مسلم تفرقہ و شدت پسندی، عالمی استعماری یلغار و صورت حال تہذیبی تضاد کے ساتھ ہندوستان میں ہندو مسلم کلچر اور مغربی تہذیبی اثرات کو اجاگر کرتے ہیں۔

افسانہ 'نانی عشو' میں نانی عشو کا کردار مزاحیہ اور قدیم ہندوستانی اعتقاد کا مظہر ہے۔ نانی عشو کی چالاکی اور مکاری اس کے کردار کو مزاحیہ بناتی ہے۔ دم، درود، پھونک جھاڑ، دھاگہ تعویذ ہندوستانی مزاج کے مطابق ہے۔ بیماروں کا علاج ان سے کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ طریق علاج چالاکی و مکاری اختیار کر گیا۔ سادہ لوح اس کے فریب میں آسانی سے آجاتے تھے۔ ایک دن نانی عشو عورتوں سے مخاطب تھی کہ ایک عورت وہاں بھاگتی آئی کہ اس کے بیٹے کو بخار ہے ذرا آکر چیک کرو۔ وہاں نانی عشو کی ملاقات ڈاکٹر نی مس سے ہوتی ہے۔ ان دو کرداروں کا مکالمہ لسانی عدم توازن کی مثال ہے۔ ڈاکٹر نی مس انگریز ہے جبکہ نانی عشو انگریزی سے عدم واقفیت کی شکار ہے۔ نانی عشو ڈاکٹر نی مس سے مخاطب ہو کر قدیم ہندوستانی طریق علاج اور اعتقاد کا اظہار کرتی ہے:

”حضرت میم صاحب یہ لڑکا بہار نہیں۔ آسیب کا سایہ ہے۔ جنوں کے چار بادشاہ ہیں۔ ایک چین میں رہتا ہے۔ ایک ماچین میں، ایک جاپان میں۔ ایک روم میں۔ تین کو میں نے پکڑ لیا۔ اس بدھی میں بند ہیں۔ ایک رہ گیا ہے اس کی تلاش میں بھی ہم زاد گیا ہوا ہے۔ وہ آیا اور بخار اترا۔ ڈاکٹرنی۔ ”اول رائٹ“، عشو کیا کہا؟

گھر والی۔ ”کہتی ال ایٹ“

عشو۔ ”میم صاحب بیوی، یہ ال ایٹ بل ایٹ تو میں جانتی نہیں بچہ کو دو اپلاؤ۔“

لیڈی۔ ’ویری ویل‘

عشو۔ ملل کیا کروگی! سیدھی طرح بات کرو۔ یہ باہل لیٹ اور ملل کیسی!“(11)

انگریزوں اور ہندوستانیوں میں زبان کا فرق انھیں ہم آہنگی، یگانگت اور اختلاط کا احساس نہ دلا سکا۔ تہذیبی، مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، فکری، اعتقادی تفریق نے ہندوستانی معاشرت میں زبان، لباس، خوراک اور طرز رہائش میں مخلوطیت و عدم مخلوطیت کو زیادہ واضح انداز میں ظاہر کیا ہے۔ ڈاکٹرنی مس نے نانی عشو کو دعوت طعام دی تو نانی عشو نے کہا: ’نوج میری جوتی بھی نہ کھائے۔ تم بد جانور کھاتی ہو۔“ اس کے باوجود ڈاکٹرنی مس نانی عشو کی باتوں اور لباس سے متاثر ہو کر اپنے ہاں رات جلسہ کی دعوت دیتی ہے۔ استعماری نظام کے مکمل سیاسی و انتظامی تسلط کے بعد انگریزوں نے ہندوستان سے جو تہذیبی و سماجی فاصلہ اختیار کیا اس نے اول ان میں اجنبیت دوم عدم مخلوطیت کی فضا کو پیدا کیا۔ انگریز سورا کا گوشت کھاتے جو ہندوستان میں حرام سمجھا جاتا اور ہندوستانی نہیں کھاتے ہیں۔ اعتقاد کے ان مسائل نے تصادم پیدا کیا۔ یہ افسانہ ہندوستانی عورت اور انگریزی لیڈی میں زبان، لباس اور خوراک کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

ہندوستانی لوگوں کا مغرب سے براہ راست رابطہ نو آبادیاتی عہد میں ہوا۔ سیر و تفریح، سیاحت، سیاسی معاملات، تجارتی مقاصد اور تعلیمی سلسلے میں ہندوستانی دیار مغرب میں آنے جانے لگے۔ وہاں کی مادی ترقی، زیبائش و آرائش، تہذیب نقوش، کلچرل آثار، طرز رہائش، تعمیرات، انتظام و انصرام اور تعلیم گاہوں سے متاثر ہوئے۔ تہذیبی لین دین کا یہ جو سلسلہ جاری ہوا یہ دو طرفہ کم یک طرفہ زیادہ تھا۔ مغربی تہذیب کے اثرات ہندوستانیوں نے زیادہ قبول کیے۔ ہندوستانی مغرب میں جا کر وہاں کی حُسن کا سب سے پہلے شکار ہوا۔ راشد الخیری کے افسانے ’رفاعی‘ کا کردار حافظ محمد رفاعی پکا مسلمان، نمازی پرہیزی، روزے دار اور خدا سے ڈرنے والا ہے۔ مگر پیرس جا کر وہاں کے ماحول، حُسن اور چہل پہل دیکھ کر بے حد متاثر ہوتا ہے۔ افسانے کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

”ہم کسی طرح بھی رفاعی کا یہ عذر قابل پذیرائی نہیں سمجھتے کہ پیرس کا خوش نما منظر، تمدن کی جدت، حسن کی کثرت، نیا شوق اور مطالعہ کا ذوق، یہ مجموعہ خیالات کی تبدیلی کا باعث ہوا۔ وہ اگر سنبھلنے کی کوشش کرتا اور سمجھتا کہ دور کے ڈھول سہانے، یہ ظاہری جلو سے اندر سے زہریلے، یہ اوپر کی مٹھاس تہ کی کڑوی اور اس جگہ گاتی روشنی کے آگے اندھیرا گھپ ہے۔ تو یقیناً اس کے پاؤں نہ ڈگمگاتے اس کی

علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں قوم پرستی، ردِ استعاریت اور تہذیبی کشمکش (مابعد نوآبادیاتی مطالعہ)

ابتدائی تعلیم ایسی ہوگئی کہ آج اچھے مسلمانوں کو نصیب نہ ہوتی۔ نو برس کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا، پانچ وقت کا نمازی، روزے کا پابند، مگر خدا بھلا کرے سسرال کا، نہ اتنا مال ہاتھ لگتا نہ پیرس کی سیر ہوتی۔" (12)

راشد الخیری کے مطابق مغربی تہذیب دور کے ڈھول سہانے کی طرح ہے، ظاہری جلوؤں کے اندر زہر، اوپر کی مٹھاس کے اندرونی تہہ کڑوی اور مغرب کی جگمگاتی روشنی کے آگے گھپ (گہرا) اندھیرا ہے۔ اگر وہ مغربی تہذیب کی اصل روح، اس کے حقیقی مزاج، اس کے غیر انسانی وغیر اخلاقی رویوں کو جاننا ہو تا تو بقول راشد الخیری وہ مغربی تہذیب سے ہرگز متاثر نہ ہوتا۔ مغرب کی منظر کشی، حسن کے نظارے، زندگی کے مظاہر تنقیدی نظر سے نہ دیکھنے سے ایک ہندوستانی مغرب کے حسن، جلوؤں، آزاد خیالیوں، روشن خیالوں اور ظاہری نمود و نمائش کے اسیر ہوئے۔ پیرس میں حافظ رفاعی ایک لڑکی کی صورت دیکھنے کے بعد جس کیفیت میں مبتلا ہوا، اسے وہ اپنے دوست سید سے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"کل رات کو نکلن ریٹورنٹ میں، میں نے ایک ایسی صورت دیکھی کہ ہندوستان اور ہندوستان کی تمام کائنات قربان کرچکا۔ میری زندگی اس کے ہاتھ ہے۔ آج شام کو پھر ملنے کا وعدہ ہے۔ مگر دیکھو خدا کا ظلم ہے کہ کسی طرح شام نہیں ہوتی۔" (13)

حافظ رفاعی اپنے سسرال کے پیسے پر مغرب میں جاتا ہے۔ پیرس کے نکلن ریٹورنٹ میں قبول صورت لڑکی کو پہلی نظر میں دل دے بیٹھتا ہے۔ اس کی سوچ، فکر، احساسات و خیالات میں آنے والا تغیر مغربی زدگی کے نتیجے میں ہے۔ جبکہ راشد الخیری مغرب کے خوش نما منظر، تمدنی جدت، حسن کی کثرت، رنگارنگی، تہذیبی مظاہر کی اصلیت کو تاریکی، اندھیرا اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔ یہ تاریکی اور گمراہی ان کے افسانے 'سجدہ ندامت' میں ہمیں نظر آتی ہے۔

'سجدہ ندامت' میں تین کردار سمیعا، حامد، اور سعیدہ ہیں۔ سمیعا مغربی زبان، طرز احساس، لباس، بود و باش، تصور اخلاق، انداز معاشرت سے متاثر ہو کر اس میں انتہا درجے تک چلی جاتی ہے۔ اس کا خاندان مشرقی انداز اطوار کا حامل ہے۔ سمیعا کی شادی مسٹر حامد سے ہوتی ہے۔ وہ بھی انگریزی زبان، لباس اور طرز عمل کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ سمیعا کے مطابق ہندوستانی لڑکی شادی کے بعد شوہر کے ہاتھ فروخت پاتی ہے، غلامی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ اسلام میں عورت میں وقعت نہیں، عورت دن رات کام کرتی ہے اور شوہر اس کا آقا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سعیدہ اسلامی تمدن کی نمائندہ ہے اس کا خیال ہے کہ عورت کو غلامانہ انداز میں رکھنے کا اسلام نہیں، شوہر ذمہ دار ہے۔ عورت کو اپنے شوہر کی رائے اور مشورے کو اہمیت دینی چاہیے کہ اس کی رائے اور مشورہ بہتر ہوتا ہے۔ سعیدہ، سمیعا کو بتاتی ہے کہ والدین لڑکی کی مرضی اور رضامندی سے ہی شادی کرتے ہیں۔ مغربی طرز پر ہونے والی شادیاں ناکام رہتی ہیں۔

ایک دن سمیعا تایا کی موت پر موٹر پر جاتی ہے۔ ڈاسن کا بوٹ پہنے، نمازی قالین پر سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے تو عورتیں اسے دیکھ کر طنز یہ رویہ اختیار کرتی ہیں۔ مشرقی و مغربی بودوباش کی یہ مخلوطیت وہاں کی عورتوں اور سمیعا میں اجنبیت پیدا کرتی ہے۔ سمیعا انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے 'ت' کی جگہ 'ٹ' کی ادائیگی کرتی ہے۔ جو سننے والوں کے لیے مضحکہ خیزی کا باعث بنتا ہے۔ لسانی مخلوطیت کی یہ مضحکہ خیزی راشد الخیری نے غم زدہ ماحول میں پیدا کی۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ٹائی صاحب مجھ کو افسوس ہے، ٹایا صاحب کی موٹ کا۔"

اتنے میں چچی بول اٹھیں:-

"بیٹی ٹایا کیا؟ زبان کیوں موٹی ہو گئی؟"

سمیعا۔ "ویل چچی صاحب آپ ٹہذیب سے بولنے"

چچی۔ "ٹہذیب؟ اچھی بیٹی پھر کہیو، ٹہذیب اور ٹائی۔"

سمیعا میں اب تاب کہا تھی؟ بیویوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ گھیرے ہنس رہے تھے۔

جل کر لگی اول جلول کینے۔ اور چلی ردوازے کی طرف یہ کہتی ہوئی:-

"اڈا بڈ ٹیز لوگ ملنے کے لائق نہیں۔"

چچی۔ "ٹیز؟"

اب تو بیویوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ جو بے وہ لٹے جاری رہی ہے۔ جل تو رہی تھی۔

غضب یہ ہوا کہ لڑکوں نے تالی جادی اور سمیعا جلتی بھلستی اپنی گاڑی میں آکر کوٹھی روانہ ہوئی۔ (14)

انگریز اردو بولتے ہوئے 'ت' کی جگہ 'ٹ' بولتے تھے۔ سمیعا 'ت' کی جگہ 'ٹ' اور 'د' کو 'ڈ' بولتی ہے۔ یہ انگریزوں کی نقل میں کیا جانے والا عمل تھا۔ ایک ہندوستانی کا لسانی مخلوطیت میں عدم توازن کا شکار ہو کر غیر صحت مند صورت حال کا سبب بنا کس قدر مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔ مسٹر واحد (وائڈ) اور سمیعا (سیمینیا) کی ازدواجی زندگی اسی لابلالیوں اور مغربی تہذیبی تقلید میں نو برس تک رہتی ہے۔ چار بچے پیدا ہوتے ہیں۔ دسویں برس میں اتفاق سے ان کی دولت، جائیداد اور کوٹھی پیسہ سب زوال زدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بات فاقوں تک آن پہنچتی ہے۔ سمیعا فاقہ کو اتفاق، مصیبت کو امکان اور اس زوال کو کسی غلطی سے تعبیر کرتی رہی۔ مسائل، مشکلات، مصیبتوں اور پریشانیوں سے بالآخر تنگ ہو کر جب سمیعا کو کچھ نظر نہیں آتا تو وہ خدا کے حضور 'سجدہ ہندامت' بجالاتی ہے۔ اور پھر سے وہ خوشحالی کی طرف آتے ہیں۔

راشد الخیری نے مذکورہ تین افسانوں میں ہندوستانی اور مغربی تہذیبی تصادم، آویزش اور کش مکش کو جس انداز سے بیان کیا ہے، اس کے مطابق وہ اس حق میں نہیں کہ مغرب کی تقلید کی جائے۔ ان کے افسانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوطیت (مغربی و ہندوستانی، مزاج، معاشرت، طرز عمل، طرز احساس میں) اول تو پیدا نہیں ہو سکی اور جس مخلوطیت نے جنم لیا وہ ہندوستانیوں کی

علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں قوم پرستی، ردِ استعماریت اور تہذیبی کشمکش (مابعد نوآبادیاتی مطالعہ)

طرف سے ایک طرف تھی نہ کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں میں پیدا ہوئی۔ راشد الخیری مغربی تہذیب کی ظاہریت کی اصلیت سے آگاہ کرتے ہیں اور مغرب تہذیب سے دوری کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1. علامہ راشد الخیری، شہید مغرب اور دوسرے افسانے (دہلی: مجرب المطابع، 1929ء)، 49-50۔
2. علامہ راشد الخیری، شہید مغرب اور دوسرے افسانے، 57۔
3. ایضاً، 64۔
4. ایضاً، 85۔
5. ایضاً، 36۔
6. ایضاً، 54۔
7. مرزا حامد بیگ، اُردو افسانے کی روایت (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 1991ء)، 35۔
8. راشد الخیری، شہید مغرب اور دوسرے افسانے، 7۔
9. ایضاً، 12۔
10. ایضاً، 36۔
11. راشد الخیری، نانی عشو (دہلی: عطار رحمن صدیقی نیچر بیام مشرق بکڈپو، س۔ن)، 6۔
12. راشد الخیری، نانی عشو، 18۔
13. ایضاً، 18۔
14. ایضاً، ص 35، 36۔

References in Roman Script

1. Allama Rashid Al-Khairi, Shaheed Maghrib aur dosry Afsany (Delhi: Mujirabul-Matab, 1929), 49, 50
2. Allama Rashid Al-Khairi, Shaheed Maghrib aur dosry afsany, 57.
3. Ibid, 64.
4. Ibid, 85.

5. Ibid,36.
6. Ibid, 54.
7. Mirza Hamid Baig, Urdu Afsany ki Rawayat (Islamabad: Academy Adbiyat Pakistan, 1991), 35.
8. Rashid Al-Khairi, Shaheed Maghrib,7.
9. Ibid,12.
10. Ibid, 36.
11. Rashid Al-Khairi, Nani Ishu (Delhi: Payam-e-Mashriq Book Depo, N.a), 6.
12. Rashid Al-Khairi, Nani Ishu, 18.
13. Ibid, 18.
14. Ibid,35-36.